© rasailojaraid.com

محکمات و متشابہات

پروفیسر احمد سعید
گریجویٹ کالج ایبٹ آباد

محکمات

محکم وہ ہے جس کا لفظ اپنے معنی و مفہوم پر دلالت کرنے میں واضح ہو اور اس میں کوئی اخفاء و اشتباہ نہ ہو نیز نسخ و تبدیل کے احتمال سے خالی ہو۔

وَاَمَّا المُحکَم فَما احکم المُرادُ بِه عَن اِحتِمَالِ النَّسخِ وَالتَّبدِیل

یعنی محکم وہ کلام ہے جس کا مطلب نہایت قوی اور مضبوط ہو جس میں نسخ اور تبدیل کا امکان بالکل نہ ہو۔(۱)

یعنی یہ دلالت اس قدر واضح ہو جس میں ابطال و تغیر نہ ہو سکے اور نہ اس میں تاویل کی گنجائش ہو کیونکہ محکمات سے مستفاد حکم قواعد دین میں سے ہوتا ہے۔(۲)

عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :

محکم ازاں کتاب آیتہاست کہ واضح است معانیء آں و بیشك و شبہ و در لفظ و در معنی

یعنی محکم اس کتاب کی وہ آیتیں ہیں کہ لفظ اور معنی میں کسی شک و شبہ کے بغیر ان کا مفہوم واضح ہو۔(۳)

جیسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا، یا یہ کہ وہ ان فضائل و اخلاق پر مشتمل ہوتے ہیں جو تبدیلی احوال سے نہیں بدلتے، جیسے والدین کی تعظیم اور عدل و انصاف یا یہ کہ کسی جزئی و فرعی حکم کو شارع نے ابدی و دائمی حکم قرار دیا ہو مثلاً پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں حکم ربانی ہے :

وَلاَ تَقبَلُوْا لَهُم شَهَادَةً اَبَدً (٤)

اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔

فائدہ :

محکم کی تعریف میں اس بات کا ذکر ہوا کہ اس میں نسخ اور تبدیل کا احتمال بالکل نہ ہو، نسخ کا احتمال نہ ہونا خواہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذاتی معنی کے سبب سے ہو جیسے توحید و صفات کی آیات محکم کہ یہ قسم محکم بعینہ ہے اور یا نبی کریم کی وفات کی بناء پر ہو یہ محکم لغیرہ کہلاتا ہے۔(۵)

حکم :

محکم قطعیت اور یقین کا فائدہ دیتا ہے اور اس کا ظاہری مفہوم ہی معتبر ہوگا۔

وحُکْمُهٗ وُجوب العمل به مِن غير احتِمالِ التاوِيلِ والتَّخْصِيص وَلاَاِحتِمال النَسخ وهو اتم القَطْعِيَات فِي افادة اليَقين

اور محکوم کا حکم یہ ہے کہ اس پر بغیر کسی قسم کے احتمال کے عمل کرنا واجب ہے اس میں نہ تاویل کا احتمال ہے نہ تخصیص کا اور نہ نسخ کا اور یقین کا فائدہ دینے میں تمام قطعیات سے زیادہ کامل ہے۔(۶)

متشابہات :

متشابہ وہ لفظ ہے جس کا صیغہ اپنی مراد پر دلالت نہ کرے، یعنی جو اپنا معنی و مفہوم ظاہر کرنے میں واضح نہ ہو اور جس کی مراد سمجھنے کی اُمید یکسر منقطع ہو چکی ہو۔

وَاَمّا الْمُتَشَابِه فَهُو اسمٍ لما اِنْقَطَع رَجاء مَعرِفَةَ المُراد مِنه وَلاَ يُرجٰى بد وه اصلا

اور متشابہ ایسے کلام کو کہتے ہیں جس کے مراد کے فہم اور ظہور کی اُمید یکسر منقطع ہو چکی ہو نہ اسے بیان کرنے والے خارجی قرائن موجود ہوں اور شارع نے اس کا علم اپنے تک محدود رکھا ہو اور اس کی تشریح نہ کی ہو۔(۷)

جیسا کہ حروف مقطعات جن سے بعض قرآنی صورتوں کی ابتداء ہوتی ہے۔(۸)

متشابہات کے بارے میں علماء کی آراء :

متشابہات کی بحث میں علمائے تفسیر و علوم قرآنی مختلف زاویہ ہائے نظر رکھتے ہیں۔

(۱) اکثر علماء کا کہنا ہے کہ متشابہات کی تاویل خدا کے سوا کسی کے علم میں نہیں یہ حضرات لفظ "اللہ" پر وقف کرتے ہیں، راسخین فی العلم کی تاویل پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اٰمَنَّا بِه كُلٌّ مِن عِنْدِ رَبّنا (۹) ہم ایمان لائے اس پر اور سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

(۲) مگر ابو الحسن اشعری "والراسخون فی العلم" پر وقف کرتے تھے جس سے آیت کے معنی یہ ٹھرتے ہیں کہ مضبوط علم والے بھی متشابہات کی تاویل سے آگاہ ہیں اس رائے کی توضیح اور تائید میں ابو اسحاق شیرازی لکھتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کوئی چیز ایسی نہیں جس کے علم کو خدائے تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کر لیا ہو بلکہ علماء کو ہر چیز کے علم سے آگاہ کر دیا ہے اگر وہ متشابہات کی تاویل سے آشنا نہ ہوتے تو ان میں اور عوام میں کوئی فرق و امتیاز نہ ہوتا۔"
(۱۰)

متشابہات کی قسمیں

شاہ عبد الحق محدث دہلوی متشابہات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"متشابہات دو قسم ہیں (۱) ایک قسم وہ ہے کہ ایک جہت سے مشکل و مشتبہ المراد ہو اور ایک جہت سے واضح و ظاہر ہو (۲) اور ایک قسم اور ہے جو کسی طور بھی واضح و معلوم المراد نہیں ہوتی غالباً متشابہ کا اطلاق اسی قسم پر ہوتا ہے" (۱۱)

امام راغب اصفہانی نے زیادہ اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے متشابہات کی تقسیم تین طرح سے کی ہے۔

(۱) وہ آیات ہیں جن کا مفہوم جاننا کسی طرح ممکن نہیں۔ مثلاً: قیامت کا وقت اور دابۃ الارض کا نکلنا۔

(۲) ایک قسم وہ ہے جس پر اطلاع پانے کے لئے انسان کے پاس وسائل موجود ہیں جیسے الفاظ غریبہ اور احکام مغلقہ۔

(۳) تیسری قسم ان دونوں کے درمیان ہے بعض راسخین فی العلم اس سے واقف ہوتے ہیں دوسروں کو اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے حق میں حسب ذیل دعائیہ کلمات میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا تھا:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ۔ (۱۲)

اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا کر اور اس کو تاویل سکھا دے۔

بلاشبہ اس معاملے میں امام راغب کا نقطۂ نظر راہ اعتدال سے قریب تر ہے جہاں تک حدائی صفات کا تعلق ہے تو کوئی بھی اس کے سوا ان سے آگاہ نہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے وقت فرمایا کرتے تھے:

لا احصٰی ثناء علیك انت كما اثنیت علٰی نفسك۔ (۱۳)

میں تیری ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا تو واقعی ایسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف خود کی ہے۔

صفات باری تعالیٰ: صفات باری تعالیٰ کے ضمن میں وارد ہونے والی آیات متشابہات کی وہ قسم ہیں جن کا مفہوم کسی فرد بشر کو معلوم نہیں اس سلسلے میں علماء کے مختلف مذاہب کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

امام رازی متشابہ صفات پر اس انداز سے روشنی ڈالتے ہیں:

قرآن خاص و عام سب کو دعوتِ فکر دیتا ہے عوام حقائق کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے لہٰذا ان میں سے کوئی شخص پہلی بار ایسی ذات باری تعالیٰ کا حال سنتا ہے جو نہ جسم ہے نہ کسی مکان میں ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ کرنا ممکن ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھنے لگتا ہے کہ یہ عدم اور نفی محض کی دلیل ہے غرض وہ خدا کو صفات سے عاری خیال کرنے لگتا ہے اس لئے بہتر یہی تھا کہ خدا کو ایسے الفاظ سے پکارا جائے جو لوگوں کے وہم و خیال کے مطابق ہوں اور اسی چیز سے مخلوط ہوں جو حقِ صریح پر دلالت کرتی ہو پہلی قسم یعنی جس کے ساتھ آغاز کار میں ذات باری تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے۔ متشابہ کہلاتی ہے دوسری چیز جو حق صریح کو نمایاں کرتی ہے اس کو محکم کہتے ہیں۔(۱۴)

علمائے سلف اور متشابہات

متشابہات کے بارے میں علمائے سلف کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق ان متشابہات پر ایمان لا کر ان کی حقیقت کا علم اسی ذات بابرکات کے سپرد کر دیا جائے چنانچہ جب استواء علی العرش کے بارے میں امام مالک سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

الِاستواءُ مَعلومٌ والکَیفُ مَجْهولٌ والسُّوالُ عنه بِدعَةٌ واَظُنُّکَ رَجُلِ سوءٍ اَخرِجُوه عَنّی

استواء معلوم ہے '(مگر اس کی) کیفیت مجہول ہے اور اس سے متعلق دریافت کرنا بدعت ہے' میرے خیال میں تو برا آدمی ہے (اور فرمایا) اسکو میرے ہاں سے باہر نکال دو۔(۱۵)

متاخرین

اس بارے میں متاخرین علماء کا موقف ہے کہ جس لفظ کا ظاہری اطلاق ذات باری تعالیٰ پر محال ہو اس کی مناسب تاویل کی جائے

ان نظریات کی وضاحت کے لئے ذیل میں چند قرآنی آیات بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)	اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرشِ اْستَوٰی ۔(۱۶)	رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا۔
(۲)	وَجآء رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفاً صَفًا۔(۱۷)	تیرا رب اور فرشتے قطار اندر قطار آئیں گے۔
(۳)	وَهُوَ الْقاهِرُ فَوقَ عِبادِه ۔(۱۸)	وہ اپنے بندوں پر بڑا زبردست ہے۔
(۴)	یاحَسْرَتٰی عَلٰی ما فَرَّطْتُ فِی جَنْبِ الله ۔(۱۹)	اے افسوس اس کوتاہی پر جو خدا کی ذات کے بارے میں مجھ سے سرزد ہوئی۔
(۵)	وَیَبقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ۔(۲۰)	اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا۔
(۶)	وَلِتُصنَعَ عَلٰی عَیْنِی ۔(۲۱)	اور تاکہ میرے سامنے تجھے پالا جائے۔
(۷)	یَدُاللهِ فَوْقَ اَیدِیْهِمْ۔(۲۲)	اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔
(۸)	وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَه ۔(۲۳)	اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ بالا آیات کے بارے میں علمائے سلف کا خیال ہے کہ ان ظواہر کی نسبت ذاتِ باری کی طرف کرنا محال ہے لہٰذا ان کی حقیقت و اصلیت کو جاننے کے لئے کھوج کرید کرنے کی بجائے ان کی حقیقت حال کا علم اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے جب کہ متاخرین ان کی تلاوت کچھ یوں بیان کرتے ہیں :

(۱) استواء سے مراد معنوی بلندی ہے' اکثر مفسرین سلف نے استوا سے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ (۲۴)

(۲) خدا کے آنے کا مطلب اس کے حکم کا نزول ہے۔(۲۵)

(۳) فوقیت مرتبہ کی بلندی کے مفہوم میں ہے۔(۲۶)

(۴) جنب اللہ سے خدا کا حق اور ''روح اللہ'' سے خدا کی ذات مراد ہے۔(۲۷)

(۵) اور ''عینی'' سے عنایت ربانی مراد ہے۔ (۲۸)

(۶) اور ''ید اللہ'' (خدا کا ہاتھ) سے اس کی قدرت مراد لی گئی ہے۔(۲۹)

(۷) اور نفسہ سے مراد خداوندی سزا ہے۔ (۳۰)

قرآن میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ محبت و حیا یا قہر و غضب کا تذکرہ ہوا ہے متاخرین ان افعال کی نسبت خدا کی طرف کرنے سے بچنے کے لئے تاویلات کا سہارا لے کر ان کے مجازی معنی یعنی لوازم مراد لیتے ہیں۔(۳۱)

''ابن اللبان'' ان آیات کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

بندوں کے افعال اگرچہ باری تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں تاہم ان میں اعضاء کی وساطت ضروری ہے جس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ الٰہی صفات کے دو مظہر ہیں :

(۱) ایک وہ جس میں نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے اور وہ صور اور جسمانی اعضاء ہیں۔

(۲) دوسرا وہ حقیقی مظہر ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ دراصل جو مظاہر بندوں کی جانب منسوب ہیں ان کا اطلاق باری تعالیٰ پر کیا گیا ہے تاکہ بندوں کی سمجھ میں آ سکے اور وہ ان سے مانوس ہوں' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں سے متعلق اپنی کتاب میں آگاہی دی ہے اور بتایا ہے کہ وہ دونوں حالتوں میں اعضاء سے منزہ ہے پہلی قسم کے بارے میں ارشاد ہوا :

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

ان سے لڑیئے اللہ تمھارے ہاتھوں سے ان کو سزا دے گا۔(۳۲)

آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ بندوں کے ہاتھوں سے جو بھی کام انجام پاتا ہے وہ خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوافل کی کثرت سے بندہ میرے ہاں قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنانے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔(۳۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ۔(۳٤)

جو لوگ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

نیز ارشاد ہوا:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔(۳۵)

آپ نے جو کنکر پھینکے وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکے۔

متشابہ کا حکم:

متشابہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے صحیح معنیٰ سمجھنے سے پہلے اس کے حق ہونے کا اعتقاد ہو، یعنی یہ عقیدہ ہو کہ متشابہ سے جس معنیٰ کا ارادہ کیا گیا ہے وہ حق ہے اگرچہ ہم قیامت سے پہلے اس کا مفہوم و معنیٰ نہ جان سکیں اور قیامت کے بعد تو ہر شخص کے سامنے متشابہات کے معنیٰ بالکل ظاہر و باہر ہو کر رہیں گے۔(۳۶)

فائدہ:

قانونی نصوص میں کوئی لفظ متشابہ موجود نہیں اور قرآن میں احکام پر مشتمل آیات تمام کے تمام محکمات ہیں ان میں کوئی متشابہ موجود نہیں۔(۳۷)

قرآنی متشابہات کی حکمت:

زرکشی البرہان میں لکھتے ہیں:۔

(۱) قرآن میں محکمات کے ساتھ متشابہات کو شامل کرنے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اہل اسلام اپنی توجہات کو ایسے علوم و فنون کی جانب مبذول کریں جن سے ان میں متشابہات کے فہم و ادراک کی صلاحیت اجاگر ہو۔

(۲) وہ تقلید کی تاریکی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں اور عجز و نیاز اور غور و فکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کریں۔(۳۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات و حواشی

(۱) نورالانوار فی شرح المنار، ملا جیون، محمد سعید اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔ ت۔ن۔ ص ۱۲۴

(۲) علوم القرآن، صبحی صالح، ۴۰۱

(۳) اشعۃ اللمعات ترجمہ و شرح مشکات (فارسی) عبدالحق دہلوی مطبع منشی نول کشور لکھنو۔ ت۔ن۔ ص ۱/۱۴۲

(۴) النور: ۴/۱۸

(۵) نورالانوار فی شرح المنار۔ ص۔ ۱۲۵

(۶) نفس المرجع

(۷) ایضاً۔ ص۔ ۱۳۳

(۸) اسلامی فقہ کے اصول و مبادی، ساجد الرحمٰن صدیقی دار التذکیر۔ ص۔ ۲۴۵

(۹) آل عمران: ۷/۳

(۱۰) علوم القرآن، صبحی صالح، ۲۔۴

(۱۱) اشعۃ اللمعات ترجمہ و شرح مشکات (فارسی۔ ص۔ ۱/۱۴۲)

(۱۲) الاتقان فی علوم القرآن، سیوطی، ص۔ ۲/۷، ۸

(۱۳) مسند الامام احمد بن حنبل۔ ص ۱/۹۶، ۱۱۹، ۶۱۵

(۱۴) مناہل العرفان فی علوم القرآن، زرقانی، ص۔ ۲/۱۷۹

(۱۵) الاتقان فی علوم القرآن۔ ص۔ ۲/۸

فارق اعظمؓ کے دور خلافت میں ابن اجیع نامی ایک شخص مدینہ آکر متشابہات کے بارے میں دریافت کرنے لگا جب خلیفۃ المسلمین کو پتہ چلا تو انہوں نے اس شخص کو بلایا اور پوچھا: کون ہو تم؟ اس نے کہا: عبداللہ ابن اجیع، آپؓ نے کھجور کی چھڑی سے اس کو اس قدر پیٹا کہ سر خون سے بھر گیا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو کہلا بھیجا کہ کوئی بھی اس کی صحبت میں نہ رہے (حوالہ بالا)

(۱۶) طٰہٰ: ۵/۱۶

(۱۷) الفجر: ۲۲/۳

(۱۸) الانعام: ۶۱/۷

(۱۹) الزمر: ۵۶/۲۴

(۲۰) الرحمٰن: ۲۷/۲۷

(۲۱) طٰہٰ: ۳۹/۱۶

(۲۲) الفتح: ۱۰/۲۶

(۲۳) آل عمران ۲۸/۳

(۲۴) الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۵) ابن الجوزی نے قاضی ابو یعلی سے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے خدا کے آنے سے اس کے حکم کا آنا مراد لیا ہے اور اس کی دلیل سورۃ النحل کی یہ آیت ہے او یاتی امر ربک : ۱۴/ ۳۳ (البرہان فی علوم القرآن الزرکشی۔ ص۔ ۲/ ۷۶ و ۲/ ۸۳)

(۲۶) الاتقان فی علوم القرآن ۔ص۔ ۲/ ۱۲

(۲۷) البرہان فی علوم القرآن (ص۔ ۲/ ۸۶)

(۲۸) المرجع السابق۔ ص۔ ۲/ ۱۱

(۲۹) نفس المرجع

(۳۰) البرہان فی علوم القرآن۔ ص۔ ۲/ ۸۳

(۳۱) الاتقان فی علوم القرآن۔ ص۔ ۲/ ۱۲

(۳۲) التوبۃ : ۱۰/ ۱۴

(۳۳) مسند الامام احمد بن حنبل (ص۔ ۶/ ۲۵۶)

(۳۴) الفتح : ۲۶/ ۱۰

(۳۵) الانفال : ۹/ ۷ اغالباً علامہ اقبال نے بالِ جبریل کے اس مصرعہ ''ہاتھ ہے اللہ کا بندہ ءِ مومن کا ہاتھ'' میں اس طرف اشارہ کیا ہے (۷/ ۹۸)

(۳۶) نور الانوار فی شرح المنار ص ۳۳ ۱ یہ متشابہات کی اس قسم کا حکم ہے جس کا مفہوم کسی طور بھی سمجھ میں نہ آ سکے

(۳۷) ساجد الرحمٰن صدیقی۔ ص۔ ۲۴۵

☆ ☆ ☆

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا!

''خدایا! میری تلاوت کو ایسی تلاوت قرار نہ دے کہ جس میں غور و فکر نہ ہو''

بحار الانوار، ج ۸۹ ص ۲۰۷

© rasailojaraid.com